قربانی کی حقیقت

(سیرت ابراہیمؑ کی روشنی میں)

محمد یوسف گورایہ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج و عید الاضحیٰ کے موقع پر کی جانے والی قربانیوں کی حقیقت دریافت کی گئی۔ صحابہ کرام نے آپؐ سے پوچھا اے اللہ کے رسول "ماھٰذہٖ الاضاحی" ان قربانیوں کی حقیقت کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ ابراھیمؑ" یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے عظیم المرتبت اللہ کے نبی تھے۔ تقریباً چار ہزار سال قبل آپ ملک عراق میں دریائے فرات پر واقع ایک شہر اُر میں پیدا ہوئے۔ یہ بادشاہ نمرود کا زمانہ تھا۔ آثار قدیمہ کی تحقیقات کے نتیجے میں شہر اُر دریافت ہو گیا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے دور میں اس علاقے کے لوگوں کی جو مذہبی اور تمدنی حالت تھی اس پر بھی کچھ روشنی پڑی ہے مشہور محقق سر لیونارڈ وولی(۱) نے اس موضوع پر بڑا کام کیا ہے۔ اس کے نتائج تحقیق کے مطابق ۲۱۰۰ قبل مسیح میں حضرت ابراہیمؑ مبعوث ہوئے۔ شہر اُر کی آبادی ڈھائی سے پانچ لاکھ کے درمیان تھی۔ یہ شہر صنعت و تجارت کا بڑا مرکز تھا لوگ مادہ پرست تھے، دولت کمانا اور زیادہ سے زیادہ آسائش حاصل کرنا ان کا سب سے بڑا مقصدِ حیات تھا۔ خود ساختہ خداؤں سے

دعائیں زیادہ تر لمبی عمر، خوش حالی اور کاروبار میں ترقی کے لئے کی جاتی تھیں۔ اُر کا مہادیو ننّار (چاند دیوتا) تھا اس کے علاوہ پانچ ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں۔ چھوٹے خداؤں میں زیادہ تر آسمانی تاروں اور سیاروں میں سے منتخب کئے گئے تھے۔ "ننّار" کا بُت اُر میں سب سے اونچی پہاڑی پر ایک عالیشان عمارت میں نصب تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں کفر و شرک عام تھا۔ لوگ اللہ کو مانتے تھے مگر ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ نے دینی امور۔ عبادات کی قبولیت مذہبی پیشواؤں کے سپرد کر رکھی ہے۔ اور دنیوی امور، معاملات پر حکمرانی کا حق بادشاہ کو سونپ رکھا ہے۔ اس طرح دین اور دنیا میں کامیابی کا دارومدار مذہبی پیشواؤں اور بادشاہوں کی مرضی پر تھا۔ پجاریوں کی مرضی اور بادشاہ کی منشا کو دین سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح یہ دونوں گروہ خود خدا بن بیٹھے تھے۔ ذاتی اغراض، نفسانی خواہشات اور نجی مفادات کے حصول کے لئے پروہتوں اور پجاریوں نے مختلف مذہبی رسوم کی ادائیگی کو دین قرار دے رکھا تھا۔ یوں اللہ کی پرستش کے نام پر انہوں نے اپنی خدائی قائم کر رکھی تھی۔ اس چیز کو قرآن نے "ارباب من دون اللہ" قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو مانتے ہوئے دوسروں کو اس کی ذات اور صفات میں شریک بنائے ہوئے تھے۔ سیدنا حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے اب تک اور آئندہ قیامت تک عقائد، ایمانیات اور عبادات میں جتنی گمراہیاں پیدا ہوئیں اور آئندہ پیدا ہوں گی ان سب کی اصل اور جڑ مذہبی پیشواؤں کا اپنی مرضی کو دین قرار دینا ہے۔ اس طرح دنیوی امور میں اب تک اور آئندہ جتنی بے انصافی قتل و غارت، ظلم و عدوان، فتنہ و فساد برپا ہوا اور آئندہ ہوگا اس کی بنیاد حکمران کا خدا بن بیٹھنا ہے۔

عقائد اور ملک میں فساد کے یہ بنیادی اسباب و عوامل ہیں۔ جو اپنی نوعیت کے اعتبار

سے ابدی و دوامی ہیں۔ تمام امصار و اعصار میں ان کی ہمہ گیری مسلم ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جو مشن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سپرد کیا اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے انہوں نے جو طریق کار اپنایا وہ عقائد میں خلوص، پختگی ایمان، ثبات و استقلال اور صبر و استقامت کا ایک ابدی اور لازوال نمونہ ہے جو فرد و قوم اور ملک و معاشرہ عقائد میں گمراہی اور نظام معاشرت و حکومت میں فتنہ و فساد کو دور کرنے کا عزم کرے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ اس کے لئے بہترین نمونے کا کام دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں ادیان میں حضرت ابراہیمؑ کو عزت و احترام حاصل ہے۔ قرآن نے ان کی سیرت کو عمدہ نمونہ قرار دیا ہے:

قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِھِمْ اِنَّا بُرَآؤُ مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کَفَرْنَا بِکُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ۔ (۲)

"تم لوگوں کے لئے ابراہیمؑ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے اور ان کے ساتھیوں کی سیرت میں بھی۔ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پہ ایمان نہ لاؤ۔"

اس اعلانِ عام میں تین باتیں خصوصی توجہ کی مستحق ہیں اول حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں نے پوری وضاحت کے ساتھ بغیر کسی ابہام کے پوری قوم کو صاف صاف کہہ دیا "ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں" غلط عقائد اور گمراہ کن رسوم میں مبتلا قوم کو اس طرح کھلم کھلا چیلنج زبردست قوت ایمانی اور

عقیدہ توحید پر پختہ ایمان کا نتیجہ ہے۔ آپ کے اعلان عام کی دوسری بڑی دفعہ یہ ہے "ہم نے تم سے کفر کیا" جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم خدا کے کافر ہو ہم تمہارے کافر ہیں، نہ تمہیں حق پر مانتے ہیں اور نہ تمہارے دین کو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عقائد اور گمراہ کن رسوم پر مبنی جو نظام قائم تھا حضرت ابراہیمؑ نے اسے ماننے سے انکار کر دیا اس کی تابعداری کو کفر قرار دیا۔ غلط نظام سے اتنی صاف اور واضح بیزاری کا حرف اسی شخص سے صادر ہو سکتی ہے جو اس نظام کے فساد اور اس کے تباہ کن نتائج کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو پھر بلا لومۃ لائم صاف صاف اس کا انکار کر دے۔ حضرت ابراہیمؑ کے اعلان کی تیسری دفعہ یہ تھی: "ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا" گویا یہ اعلان جنگ تھا۔ مرد مومن جب تک اس طرح کا اعلان نہیں کرتا وہ اپنے مشن کو آگے بڑھانے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوتا۔ کیونکہ جھوٹے اور خود ساختہ خداؤں کے پجاری گول مول باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے وہ یقین رکھتے ہیں کہ مبہم اور غیر واضح اعلانات ان کے مضبوط و مستحکم نظام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ مگر صاف صاف اور کھلم کھلا الفاظ میں وہی شخص بات کر سکتا ہے جسے اپنے عقائد، ایمان اور اعمال کی صحت اور پائداری کا یقین ہو۔ سنت ابراہیمؑ کے یہ تینوں اجزائے ترکیبی بغیر کسی ابہام کے مومنین صادقین کو دعوت ایمان و عمل دیتے ہیں مذکورہ بالا امور سے واضح ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی پیروی وہی شخص کر سکتا ہے جو اس اعلان کے تینوں اجزاء پر عمل پیرا ہونے کا مصمم ارادہ کرے وہ کہہ سکے: "ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں" اس میں اتنی ہمت ہو کہ وہ اعلانیہ کہے: "ہم نے تم سے کفر کیا" وہ قوت ایمانی کے اس مقام پر فائز ہو کہ وہ اعلان کر سکے: "ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا" پھر اس کے ثبات و استقلال کا یہ عالم ہو کہ وہ اپنے عقائد پر چٹان کی طرح جما رہے، کسی قسم کی کمزوری اور مداہنت

کا مظاہرہ نہ کرے اور دشمنان خدا کو کہہ دے کہ معبودان باطل سے بیزاری اور ظلم و عدوان پر مبنی نظام سے کفر و انکار اور عداوت اس وقت تک جاری رہے گی "جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ"

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ اور شعائر حج کو سنت ابراہیمی قرار دیا اور آج تک اکناف و اطراف عالم کے مسلمان اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ہر سال اس پر عمل کرتے ہیں۔ اس ایمان اور عمل میں زیادہ قوت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ابراہیم علیہ السلام کے وہ کارنامے سامنے رہیں جن کی انجام دہی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کا اتباع مسلمانوں پر فرض کیا اور سب سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی اسے اپنایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جن صفات عالیہ اور اوصاف فاضلہ کے سبب "اسوہ حسنہ" کے بلند مرتبے پر فائز ہوئے وہ تمام افراد و اقوام کے لئے نمونہ ہیں۔ جو فرد اور قوم اپنی خدا داد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنا چاہے، ملت ابراہیمؑ اس کے لئے عمدہ مثال ہے حضرت ابراہیمؑ جن اعمال و افعال کے نتیجے میں مقتدائے عالم قرار پائے ان میں توحید پر ایمان سر فہرست ہے۔

مذہب اور اخلاق کے تمام مکاتب فکر اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی عقیدہ، اصول، فکر اور نظریہ اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا جب تک اس کا داعی خود اس پر عمل پیرا نہ ہو۔ اس مسلمہ اصول کے مطابق سیدنا ابراہیمؑ نے سب سے پہلے اپنے عقائد پر خود عمل پیرا ہونے کا امتحان پاس کیا۔ قرآن نے ان کی اس کامیابی کا ذکر اس طرح کیا ہے:

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۔ (۲)	"جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو وہ ان سب میں پورا اتر گیا"

عقیدہ توحید پہ پختہ ایمان کا نتیجہ ہے۔ آپ کے اعلان عام کی دوسری بڑی دفعہ یہ ہے "ہم نے تم سے کفر کیا" جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم خدا کے کافر ہو ہم تمہارے کافر ہیں، نہ تمہیں حق پر مانتے ہیں اور نہ تمہارے دین کو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عقائد اور گمراہ کن رسوم پہ مبنی جو نظام قائم تھا حضرت ابراہیمؑ نے اسے ماننے سے انکار کر دیا اس کی تابعداری کو کفر قرار دیا۔ غلط نظام سے اتنی صاف اور واضح بیزاری کا صرف اسی شخص سے صادر ہو سکتی ہے جو اس نظام کے فساد اور اس کے تباہ کن نتائج کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو پھر بلا لومۃ لائم صاف صاف اس کا انکار کر دے۔ حضرت ابراہیمؑ کے اعلان کی تیسری دفعہ یہ تھی: "ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا" گویا یہ اعلان جنگ تھا۔ مردِ مومن جب تک اس طرح کا اعلان نہیں کرتا وہ اپنے مشن کو آگے بڑھانے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوتا۔ کیونکہ جھوٹے اور خود ساختہ خداؤں کے پجاری گول مول باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے وہ یقین رکھتے ہیں کہ مبہم اور غیر واضح اعلانات ان کے مضبوط و مستحکم نظام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ مگر صاف صاف اور کھلم کھلا الفاظ میں وہی شخص بات کر سکتا ہے جسے اپنے عقائد، ایمان اور اعمال کی صحت اور پائداری کا یقین ہو۔ سنت ابراہیمؑ کے یہ تینوں اجزائے ترکیبی بغیر کسی ابہام کے مومنین، صادقین کو دعوت ایمان و عمل دیتے ہیں مذکورہ بالا امور سے واضح ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی پیروی وہی شخص کر سکتا ہے جو اس اعلان کے تینوں اجزاء پہ عمل پیرا ہونے کا مصمم ارادہ کرے وہ کہہ سکے: "ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں" اس میں اتنی ہمت ہو کہ وہ اعلانیہ کہے: "ہم نے تم سے کفر کیا" وہ قوت ایمانی کے اس مقام پہ فائز ہو کہ وہ اعلان کر سکے، "ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا" پھر اس کے ثبات و استقلال کا یہ عالم ہو کہ وہ اپنے عقائد پہ چٹان کی طرح جما رہے، کسی قسم کی کمزوری اور مداہنت

کا مظاہرہ نہ کرے اور دشمنان خدا کو کہہ دے کہ معبودان باطل سے بیزاری اور ظلم و عدوان پر مبنی نظام سے کفر و انکار اور عداوت اس وقت تک جاری رہے گی "جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ"

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ اور شعائر حج کو سنت ابراہیمی قرار دیا اور آج تک اکناف و اطراف عالم کے مسلمان اس پہ ایمان رکھتے ہیں اور ہر سال اس پر عمل کرتے ہیں۔ اس ایمان اور عمل میں زیادہ قوت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ابراہیم علیہ السلام کے وہ کارنامے سامنے رہیں جن کی انجام دہی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کا اتباع مسلمانوں پر فرض کیا اور سب سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی اسے اپنایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جن صفات عالیہ اور اوصاف فاضلہ کے سبب "اسوہ حسنہ" کے بلند مرتبے پر فائز ہوئے وہ تمام افراد و اقوام کے لئے نمونہ ہیں۔ جو فرد اور قوم اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنا چاہے، ملت ابراہیمؑ اس کے لئے عمدہ مثال ہے حضرت ابراہیمؑ جن اعمال و افعال کے نتیجے میں مقتدائے عالم قرار پائے ان میں توحید پر ایمان سر فہرست ہے۔

مذہب اور اخلاق کے تمام مکاتب فکر اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی عقیدہ، اصول، فکر اور نظریہ اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا جب تک اس کا داعی خود اس پر عمل پیرا نہ ہو۔ اس مسلمہ اصول کے مطابق سیدنا ابراہیمؑ نے سب سے پہلے اپنے عقائد پر خود عمل پیرا ہونے کا امتحان پاس کیا۔ قرآن نے ان کی اس کامیابی کا ذکر اس طرح کیا ہے:

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ۔ (۲)	"جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو وہ ان سب میں پورا اتر گیا"

اس امتحان کا سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ ابراہیمؑ کیا تو کفر و شرک کی ہر قسم سے دستبردار ہوتا ہے ؟ کیا تو خالص عقیدۂ توحید پر ایمان لا کر اللہ کی ذات اور صفات میں غیر اللہ کی شرکت کی کلیتہً نفی کرتا ہے ؟ اس سوال کا مطلب یہ تھا کہ ابراہیمؑ تمام غیر خدائی قوتوں کی عبادت اور ان کی نفع و ضرر رسانی کی اہلیت سے انکار کر کے اپنے آپ کو کامل و مکمل طور پر خدائے واحد لاشریک کے سپرد کر دے ۔ اسی طرح ظلم و عدوان، جبر و استبداد، آمریت و تسلط پر مبنی معاشرتی، سیاسی اور معاشی نظام سے بغاوت کر کے احکام الٰہی کے تابع عدل و انصاف، اخوت و مساوات اور حریت و مشاورت کے اصولوں کے مطابق معاشرتی، سیاسی اور معاشی نظام کو معرض وجود میں لائے ۔

قرآنی الفاظ میں یہ سوال اس طرح بیان ہوا ہے ۔

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ	جب اس کے رب نے اس سے کہا سر تسلیم خم کر

ابراہیم کا جواب تھا :

أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔	میں رب کائنات کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں

اس سوال و جواب کے نتیجے میں ملتِ ابراہیمیؑ کا مطلب سمجھنے میں دشواری باقی نہیں رہنی چاہیئے۔ سنت ابراہیمیؑ ہر قوت و طاقت سے منہ موڑ کر صرف اور صرف رب کائنات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا نام ہے جب خدائے لاشریک کے سامنے قلبی حضور، ذہنی سکون، کامل یقین و خلوص و اطمینان کے ساتھ توحید کا اقرار کیا جائے تو اس کی قبولیت میں شک و ریب کی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔ سیدنا ابراہیمؑ جب ایمان و اقرار توحید کی منزل طے کر چکے تو اس کی قبولیت پر یہ فرمان الٰہی صادر ہوا :

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ	ہم نے اسے دنیا میں چن لیا اور آخرت میں اس کا شمار صالحین میں ہو گا ۔

توحید خالص پر ایمان اور خدائے واحد لاشریک پر کامل یقین کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ موحد دنیا میں خدا کا منتخب نمائندہ قرار پاتا ہے اور آخرت میں کامیاب و کامران برگزیدہ صالحین کی صف میں نمایاں طور پر شمار ہوتا ہے۔ انسان کے اپنے عقیدہ پر پختہ ایمان کا دوسرا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ اور خاندان کو اپنا ہم عقیدہ بنائے۔ یہ منزل پہلی منزل سے مشکل تر ہوتی ہے کیونکہ انسان جس عقیدے کو درست پائے اس پر خود تو ایمان لا سکتا ہے مگر دوسروں کو ہم عقیدہ بنانا آسان نہیں۔ اس مشکل میں اس وقت اور اضافہ ہو جاتا ہے جب خاندان کا سربراہ اس عقیدے کا مخالف ہو۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لئے یہ امر اسی لئے دشوار تر تھا کہ ان کے خاندان کا سربراہ خود ان کا باپ تھا۔ ان کی یہ دشواری یہیں پر ختم نہیں ہو گئی کیونکہ ان کا باپ وقت کے جابر و مستبد بادشاہ نمرود کے ملک اور دین کے اعلیٰ ترین عہدے پر فائز تھا اور یہ بتلانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس وقت حکومت و دین دونوں خدا سے بغاوت پر مبنی تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کو عقیدہ توحید کی دعوت دینا اور اس کا اس دعوت کو قبول کرنا حکومت و دین دونوں کے خاتمے کے مترادف تھا۔ اب ایک طرف حضرت ابراہیمؑ کا اپنے عقیدے کے ساتھ اخلاص اور دعوت الی الحق کا تقاضا تھا اور دوسری طرف اپنے باپ۔ سربراہ خاندان اور حکومت و دین کے اعلیٰ ترین عہدے دار کو اس کی اپنی حکومت اور دین کے خلاف دعوت دینے کا دشوار گزار مرحلہ درپیش تھا۔

داعیان حق و صداقت کو ہمیشہ اعزہ و اقارب کی پاسداری، دنیوی مقاصد و مفادات کی قربانی، قوت و طاقت سے ٹکرا جانے کے عزم و ہمت جیسے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ درحقیقت حضرت ابراہیمؑ نے بھی باپ کی جائیداد سے عاق ہونے اور ہر قسم کے خوف و خطرے سے بے پرواہ ہو کر محض رب العالمین پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے باپ کو توحید خالص کی

طرف دعوت دینے کا فیصلہ کیا اور پورے عزم و ہمت کے ساتھ باپ کو ان الفاظ میں دعوت حق دی :

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۷)

ابراہیمؑ کا واقعہ یاد کرو جبکہ اس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے ، میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں ۔

ذات ، گھر اور برادری کے بعد دعوت حق کا عمومی مرحلہ درپیش ہوتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ خاندان اور برادری سے باہر غیر برادری اور قوم کو ان کے عقیدے کے خلاف دعوت دینا آزمائش کا کٹھن مرحلہ ہوتا ہے ۔ یہ لوگ ایسے داعی کو کسی رعایت کا مستحق نہیں سمجھتے جو ان کے عقائد کو ، باطل اور ان کے آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دے اور ان کے معاشرتی ، معاشی اور سیاسی نظام کے مکمل خاتمے کا علمبردار ہو ۔ قوم کو توحید کی دعوت دینے کی صورت میں حضرت ابراہیمؑ کے سامنے یہ تمام سنگین حالات موجود تھے ۔ انہیں معلوم تھا کہ انہوں نے جو راہ اختیار کی ہے اس میں دوسروں کے علاوہ ان کا اپنا باپ بھی ان کی دشمنی اور مخالفت میں شریک ہوگا ۔ مگر داعیان حق کے قافلہ سالار عظیم المرتبت پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر مصلحت سے بے نیاز ہو کر باپ و قوم کو پکارا کہ وہ بے بس و بے جان اور بے اختیار خود ساختہ معبودوں ، ہوتوں اور بتوں کی پوجا چھوڑ دیں جو کسی نفع و نقصان کی قدرت کے مالک نہیں :

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (۸)

جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ یہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو !

حضرت ابراہیمؑ کے اس ایک سوال سے ان کی قوم کے خود ساختہ دین اور باطل معبودوں کی عمارت زمین بوس ہو گئی ۔ اس ٹھوس اور گہرے سوال سے وہ لرز اٹھے لاجواب ہو کر صرف اتنا

کہہ پائے

وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ (۵۲:۲۱) ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔

سیدنا ابراہیمؑ نے پوری جرأت ایمانی سے ان کی اس نہایت کھوکھلی دلیل پر بھرپور وار کرتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (۹) تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کا یہ جواب پوری قوم کو صریح گمراہ قرار دینے کا اعلان عام تھا۔ انہوں نے اس جواب میں صرف اپنی مخاطب قوم کو گمراہ نہیں کیا بلکہ ان کے آباء و اجداد کو بھی اس گمراہی میں شامل کر دیا تاریخ و عمرانیات کے ماہر جانتے ہیں کہ کوئی قوم بحیثیت مجموعی اپنی گمراہی کا اعلان سن کر کس درجہ بھڑک اٹھتی ہے اور جب اس کے آباء و اجداد کو بھی صاف لفظوں میں صریح گمراہ قرار دیا جائے تو ایسے داعی پر مصائب و آلام کے جو پہاڑ ٹوٹتے ہیں اس کی بھی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان کی قوم کو ابھی تک اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ ابراہیمؑ نے واقعی پوری قوم اور ان کے آباء و اجداد کو صریح گمراہ قرار دیا ہے۔ تادیبی کارروائی کرنے سے پہلے انہوں نے پھر پوچھا

اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ۔ (۱۰) کیا تو ہمارے سامنے اپنا اصلی عقیدہ پیش کر رہا ہے یا مذاق کرتا ہے۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ڮ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔ (۱۱) انہوں نے جواب دیا، نہیں بلکہ فی الواقع تمہارا رب وہی ہے جو زمین اور آسمانوں کا رب اور ان کا پیدا کرنے والا ہے اس پر میں تمہارے سامنے گواہی دیتا ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ کا جواب سن کر ان کی قوم کو یقین آگیا ہے کہ وہ انہیں علی وجہ البصیرت گمراہ سمجھتے

ہیں اور زمین و آسمان کا مالک اور پروردگار صرف رب کائنات کو مانتے ہیں اگر ان کی قوم اس پر ایمان لے آئے تو وہ ہدایت یافتہ ہے ورنہ گمراہ۔ اس اعلان پر بات کھل کر سامنے آگئی حضرت ابراہیمؑ نے جس بیباکی سے یہ اعلان کیا وہ درحقیقت ایسا شخص ہی کر سکتا تھا جو کل نفع ونقصان کے مالک اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھتا ہو۔ وہ بھڑکی ہوئی قوم کی طرف سے تشدد کے ہر حربے کو برداشت کرنے پر آمادہ ہوا اس کا دل مطمئن اور ضمیر اپنے عقیدے کی صداقت پر پرسکون ہوا اس سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابراہیمؑ قوم کو گمراہ کہنے کے مرحلے سے کامیابی کے ساتھ گزر گئے اور بگڑی ہوئی قوم کو راہ ہدایت پر لانے کے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دے گئے حق وصداقت کی طرف بلانے کا فیصلہ کن مرحلہ اپنے عہد کے سب سے بڑے جابر اور مستبد بادشاہ نمرود کو دعوت اسلام دینے کا تھا۔ نمرود خود ساختہ دین اور اس پر مبنی ظلم واستبداد کے نظام کا مطلق العنان بادشاہ تھا۔ پروہت وپجاری من مانے مراسم پرستش بناتے اور نمرود اپنی قوت وطاقت سے انہیں نافذ کرتا اسی طرح نمرود جبر واستبداد پر مبنی نظام حکمرانی بناتا اور پروہت وپجاری اپنے قائم کردہ مذہبی تقدس سے اسے سند جواز عطا کرتے۔ نمرود کو عقیدہ توحید کی طرف دعوت دینے کا مطلب یہ تھا کہ اس کے خود ساختہ ملکی ودینی نظام کی جڑ کٹ جاتی اور وہ پورے کا پورا نظام ختم ہو جاتا۔ ظاہر ہے نمرود جیسی قوت وجبروت والا بادشاہ کسی شخص کی اس جرأت کو کس طرح برداشت کر سکتا تھا۔ تمام خطرات کے ہوتے ہوئے سیدنا ابراہیمؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے داعیان حق کے لئے اسوۂ حسنہ اور درس عزیمت کی عظیم الشان عمارت قائم کی اور نمرود کو متنبہ کیا کہ وہ باطل پرستی ترک کر کے حق پرستی اختیار کرے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ قَالَ اِبْرٰهٖمُ	کیا تم نے اس شخص پر غور نہیں جس نے ابراہیمؑ سے جھگڑا کیا تھا جھگڑا اس بات پر کہ ابراہیم کا رب کون ہے اور اس بنا پر کہ اس شخص کو اللہ نے حکومت دے رکھی تھی، جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے تو اس نے جواب دیا

فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ (۱۲)

زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے ابراہیم نے کہا اچھا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا اسے مغرب سے نکال لا یہ سن کر وہ منکر حق ششدر رہ گیا۔

یہ ہے نمونہ حضرت ابراہیمؑ کے عزم وثبات کا آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا اور وقت کے سب سے بڑے جابر و قاہر حاکم کو حق وصداقت کی راہ دکھا دی۔ مگر جیسا کہ بیان ہوا نمرود نے مادی قوت و طاقت سے شکست نہیں کھائی بلکہ اس کا جبر و قہر پوری طرح محفوظ ہے وہ لاجواب ہوا ہے تو فکری و نظری سطح پر افکار و نظریات کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب لوگ اس سطح پر شکست کھا جاتے ہیں تو پھر ننگی جارحیت، ظلم و استبداد اور قہر و تشدد کی قوت کا سہارا لیتے ہیں۔ تاکہ حق وصداقت کی جس صدا کے سامنے وہ لاجواب ہو گئے ہیں وہ دوسروں تک پہنچنے نہ پائے کیونکہ انہیں خدشہ ہوتا ہے کہ جب وہ خود اپنی عقلیت، قابلیت علم و دانش کے باوجود ہار گئے ہیں تو عام لوگ حقیقت کا کیسے سامنا کر سکیں گے۔ وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ جب عام لوگ ایمان لے آئیں تو وہ نظام جو ان کے کفر و شرک کی وجہ سے قائم تھا ختم ہو جائے گا جس کے خاتمے کے ساتھ ہی اس نظام کے اختیار و اقتدار کے مالک بھی ختم ہو جائیں گے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت و سیرت جہاں تک سامنے آئی ہے اس میں عزم و استقامت اور جرأت و استقلال کا اظہار زیادہ تر اس پہلو سے ہوا ہے کہ انہوں نے دعوت و تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ باپ، برادری، قوم، بادشاہ سب کی گمراہی ان پر واضح کر کے انہیں راہ ہدایت کی طرف بلایا۔ ان کی گمراہی کے نتائج و عواقب بیان کئے اور انہیں رشد و ہدایت کے فیوض و برکات سے آگاہ کیا اور اس میں ذرا برابر مداہنت سے کام نہیں لیا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام دعوت و تبلیغ کے مرحلے سے گزر کر دوسرے کٹھن مرحلے

میں داخل ہوتے ہیں۔ نمرود اور اس کی رعایا جن بتوں کی پرستش کرتی اور سجدہ ریز ہوتی تھی، سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے بت خانہ میں داخل ہو کر انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا (۱۳)

عقلی و علمی اور نظری طور پر ان کی قوم لاجواب ہو کر اندر ہی اندر سلگ رہی تھی اور ان کی آتش غیظ و غضب بھڑک اٹھنے کا محض بہانہ ہی تلاش کر رہی تھی۔ بتوں کے چکنا چور ہونے سے انہیں یہ موقع ہاتھ آگیا چنانچہ انہوں نے آگ کے بھڑکتے شعلوں اور دہکتے انگاروں میں سیدنا ابراہیمؑ کو جلا ڈالنے کا فیصلہ کیا:

قَالُوا حَرِّقُوْهُ (۱۴)   اعلان ہوا اسے آگ میں جلا ڈالو

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ قتل، پھانسی اور آگ میں جل جانے کا ڈر ایسے مواقع ہوتے ہیں جب بڑے بڑے لوگوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور وہ جان بچانے کی خاطر مداہنت سے کام لیتے ہوئے اپنے عقائد و نظریات پر نظر ثانی کا اعلان کرتے ہیں مگر جنہوں نے اوراق تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑتے ہوتے ہیں وہ ایسے مواقع پر فرار کی بجائے قرار کو ترجیح دیتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت تا قیامت قائم رہنی تھی اس لئے انہوں نے پوری دلجمعی کے ساتھ فرمایا

يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۔ (۱۵)   اے میری قوم میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔

پھر نہایت یکسوئی کے ساتھ کہا:

اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا   میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور میں ہرگز

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۶)

ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

انہوں نے علی الاعلان کہا

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا۔ (۱۷)

میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں (جھوٹے خداؤں) سے نہیں ڈرتا ہاں اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے۔

انہوں نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا۔ (۱۸)

اور آخر میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں (جھوٹے خداؤں) سے کیسے ڈروں جبکہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو خدائی میں شریک بنائے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے لئے اس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی ہے

یہ ہے عقیدہ توحید کی پختگی، اللہ پہ ایمان کی نادر مثال اور سنت ابراہیمی کا دائمی قابل تقلید نمونہ! حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ و ایمان کی اس لازوال قوت اور اسوہ و سیرت کی اس غالب ترین طاقت کے سامنے ہر چیز کو پگھلا دینے والی آگ خود پگھل گئی اور اس کی جلا دینے والی خاصیت برودت و سلامتی میں ڈھل گئی۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ۔ (۱۹)

ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو اور سلامتی بن جا ابراہیمؑ پر۔

سیدنا ابراہیمؑ کی سنت ان لوگوں کے لئے مینارہ نور ہے جو اپنے عقیدہ کو کفر و شرک کی آلائشوں سے پاک صاف کر کے توحید خالص سے اپنے سینوں کو منور کرنا چاہیں اور پھر اس قوتِ توحید کی کرشمہ سازیوں سے آتش شعلہ کو گلزار ابراہیمی میں ڈھلتے دیکھنا پسند کریں۔

نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حضرت ابراہیمؑ کے اسوہ کی اتباع کا حکم دیا کیونکہ عظمت و رفعت کو پانے کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے اور ناقابلِ فراموش کارنامے انجام دینے کے لئے جن صفات عالیہ کو اپنانے کا تقاضا ہوتا ہے وہ سب حضرت ابراہیمؑ

کی سنت و سیرت میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

آتش نمرود کو گلزار ابراہیمی میں بدل کر نمرود و قوم نمرود کے دلوں کی سنگلاخ زمین میں عقیدہ توحید کی تخم ریزی کا کوئی موقع باقی نہیں رہا تھا۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ آباد و اجداد اعزہ و اقارب، ملک و وطن کو دین و ایمان پر قربان کر دیں اور وہاں سے ہجرت کر کے اکناف و اطراف عالم میں سے کسی ایسے خطہ ارضی کو اپنا مسکن بنائیں جو ایمان کی تخم ریزی کے لئے موزوں ہو۔ پیارے دیس اور عزیز وطن کو مال و دولت، صنعت و تجارت اور خوشحالی و فارغ البالی کے لئے نہیں بلکہ محض اپنے عقیدہ کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و اشاعت کی خاطر ہجرت کرنا صرف اولوالعزم اور حق و صداقت کے علمبرداروں کا شیوہ رہا ہے۔ سیدنا ابراہیمؑ اس مشکل مرحلے سے بھی نہایت عزم و ثبات کے ساتھ گزر گئے۔ اور یہ کہتے ہوئے گھر بار، مال و دولت، ماں باپ، اعزہ و اقارب اور دیس و وطن سے چل کھڑے ہوئے۔

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ [۲۰] میں اپنے رب کی طرف جا تا ہوں وہی میری رہنمائی کرے گا

شہر اُر سے ہجرت کر کے آپ حران تشریف لے گئے، وہاں سے فلسطین کی طرف منتقل ہوئے اور بیت ایل، حبرون اور بیر شبع جیسے اہم مقامات پر اپنی دعوت کے مراکز قائم کئے، اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کو بحر لوط کے مشرق میں آباد کر کے آپ مصر روانہ ہو گئے اس کے بعد آپؑ نے حجاز کا رُخ کیا اور مکہ میں بیت اللہ کی تعمیر کر کے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو اس کی خدمت پر مامور کیا پھر فلسطین میں حبرون کو اپنا مستقل مرکز بنایا اور یہیں آپ کا انتقال ہوا۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کے عظیم الشان کارناموں کا اجمالی ذکر ہے۔ جس خاص واقعے سے عیدالاضحیٰ اور حج کے موقع پر جانور کی قربانی کی سنت ادا کی جاتی ہے وہ سیرت و اسوۂ ابراہیمی کا عمدہ نمونہ ہے۔ جسے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سنۃ ابیکم ابراھیم" کا نام دے کر امت مسلمہ پر اس کی اتباع ضروری

قرار دی۔

جب حضرت ابراہیمؑ عقائد، اعمال، ابتلاء و آزمائش کے تمام کٹھن مراحل کو طے کر چکے تو بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جیسا فرزند ارجمند، نور نظر "غلامٌ حلیمٌ" بردبار بیٹا عطا فرمایا۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ[۲۱]۔ ایک طرف ابراہیمؑ نومولود بیٹے کو اپنے بڑھاپے کا سہارا اور میراث کا وارث پاکر شاداں و فرحاں ہیں اور دوسری طرف منصب امامت پر فائز ہونے کی سب سے بڑی آزمائش بھی اسی وقت کی منتظر تھی۔ جب امیدوں اور آرزؤں کا مرکز پیارا اور لاڈلا بیٹا بھاگ دوڑ کی عمر کو پہنچا تو باپ نے بیٹے سے کہا:

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى[۲۲]۔ — بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے؟

باپ کی طرح بیٹا بھی پیکر تسلیم و رضا کا پیکر تھا عرض کیا:

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ[۲۳]۔ — ابا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے آپ اسے کر ڈالئے، انشاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔

آخر جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیمؑ تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔

حضرت ابراہیمؑ اس آزمائش میں کامیاب ہوئے۔ اس رفیع الشان واقعہ کی عظمت و ندرت الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی اسے تصور کی آنکھ سے ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ بوڑھا باپ اپنے ارمانوں سے مانگے ہوئے بیٹے کو اللہ کی خوشنودی پر قربان کر دینے پر آمادہ ہے۔ بیٹا بھی گلے پر چھری چلوانے کے لئے راضی ہے۔ یہ ایسا منظر تھا جسے دیکھ کر رحمت حق نے جوش مارا، بیٹے کے بدلے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک

میڈھا ذبح کردیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے :

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (۲۴) ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا

یہی وہ بڑی قربانی ہے جسے قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے بطور سنت جاری کردیا کہ اس تاریخ کو تمام اہل ایمان دنیا بھر میں جانور قربان کریں اور وفاداری اور جانثاری کے اس عظیم الشان واقعہ کی یاد تازہ کرتے رہیں۔ قرآن نے اس کو "شعآئر اللہ" میں شمار کیا ہے۔ ۱۰ ذی الحجہ کو یوم النحر (قربانی کا دن) قرار دیا۔ اس روز حج پر گئے ہوئے حجاج کرام منیٰ کے مقام پر قربانی کے جانور ذبح کرتے ہیں جو مسلمان حج پر نہیں گئے ہوتے وہ اپنے ملکوں میں اپنے گھروں میں قربانی کرتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے دن اللہ کے نزدیک قربانی سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔

قربانی کا وقت عید الاضحیٰ کی دسویں تاریخ سے بارہ تاریخ تک تین روز رہتا ہے مگر افضل دسویں تاریخ ہے

قربانی میں نیت اور ارادے کو بڑا دخل ہے اللہ کا فرمان ہے :

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآءُهَا اللہ کو نہ قربانیوں کے گوشت پہنچتے ہیں نہ خون، مگر اسے
وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

یہ آیت روح قربانی بیان کرتی ہے۔ جو لوگ اللہ کی رضا اور سنت ابراہیمی کی پیروی کے لئے قربانی کرتے ہیں اور نیت کرتے ہیں کہ وہ قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت اپنی ہر چیز اللہ کی راہ میں قربان کرنے پر آمادہ ہیں اس نیت اور عمل سے ان کے دل، دماغ اور ضمیر کامل یقین کے ساتھ رب کائنات کے آگے تسلیم و رضا کا پیکر بن جاتے ہیں، ان میں احکام الٰہی پوری ذمے داری اور حزم و احتیاط سے بجالانے کا شعور بیدار ہوجاتا ہے اور ان کے اعمال و افعال رب کی رضا کا مظہر بن جاتے ہیں۔
ایسی صورت میں قربانی کے جانور کے ایک ایک بال کے بدلے نیکیاں ملتی ہیں اگر نیت محض نمائش

ریا کاری اور دکھاوا ہو۔ گلی محلے میں اپنی دولت کا اظہار اور بڑا کہلانا مقصود ہو تو ایسی قربانی کا خدا کے ہاں کوئی اجر نہیں قربانی سنت ابراہیمی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ہر عمل نسل انسانی کے لئے مشعل راہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سر لیونارڈ وولی، ابراہیمؑ، مطبوعہ لنڈن ۱۹۲۵ء

۲۔ القرآن الحکیم (۶۰ : ۴)

۳۔ القرآن الحکیم (۲ : ۱۲۴)

۴۔ القرآن الحکیم (۲ : ۱۳۱)

۵۔ القرآن الحکیم (۲ : ۱۳۱)

۶۔ القرآن الحکیم (۲ : ۱۳۰)

۷۔ القرآن الحکیم (۶ : ۷۴)

۸۔ القرآن الحکیم (۲۱ : ۵۲)

۹۔ القرآن الحکیم (۲۱ : ۵۴)

۱۰۔ القرآن الحکیم (۲۱ : ۵۵)

۱۱۔ القرآن الحکیم (۲۱ : ۵۶)

۱۲۔ القرآن الحکیم (۲ : ۲۵۸)

۱۳۔ القرآن الحکیم (۲۱ : ۵۸)

۱۴- القرآن الحکیم (۲۱ : ۷۸)

۱۵- القرآن الحکیم (۲ : ۷۹)

۱۶- القرآن الحکیم (۶ : ۷۹)

۱۷- القرآن الحکیم (۶ : ۷۹)

۱۸- القرآن الحکیم (۶ : ۸۱)

۱۹- القرآن الحکیم (۲۱ : ۷۹)

۲۰- القرآن الحکیم (۳۷ : ۹۹)

۲۱- القرآن الحکیم (۳۷ : ۱۰۱)

۲۲- القرآن الحکیم (۳۷ : ۱۰۲)

۲۳- القرآن الحکیم (۳۷ : ۱۰۳)

۲۴- القرآن الحکیم (۳۷ : ۱۰۷)